Rooh-e-Tahqeeq, Vol.04, No.01, Serial No. 11, January – March 2026

A Review of some Urdu Masnavis` manuscripts from Sherani`s Collection

”ذخیرہ شیرانی“ سے اردو مثنویات کے چند مخطوطوں کا جائزہ

Dr. Ayub Nadeem
Associate Professor of Urdu, Minhaj University, Lahore
drayubnadeem@mul.edu.pk

Sabir Ali Rizwi
Department of Urdu, ILM College Depalpur, Okara
sabir.rizvi@gmail.com

Saman Abbas
Punjab School Education Department, Lahore
samanmalik7002@gmail.com

Abstract:
A manuscript is an important historic at document and a primary source of research. In libraries worldwide, countless manuscripts from different periods are preserved in book form, serving as memorials of times when printing had not yet been invented. In those days, to produce any written work by hand, one would obtain paper and ink or seek the services of a skilled calligrapher. Although every handwritten text may be called a manuscript, although greater importance is attached to those manuscripts that were compiled in book form and became a means for the promotion and dissemination of knowledge. A renowned research scholar of Urdu Hafiz Mahmood Shirani, traced many such manuscripts which were important with respect to Urdu Language and Literature. Once their authenticity was established, he included them in the Zakhira-e-Shirani (Shirani Collection). Hafiz Mahmood Shirani possessed exceptional expertise in manuscript studies. For this reason, the manuscripts in the Shirani Collection are considered original and reliable. This article discusses and offers a review of a few worth-mentioning poetic manuscripts from the Shirani Collection that is still preserved in the Oriental Section of the library at University of the Punjab (Quaid-e-Azam Campus, Lahore.

Keywords: Manuscript, Source of research, Document, Calligraphy, Urdu language and literature, Dissemination of knowledge, Authenticity, Shwrani`collection.

مخطوطہ کیا ہے؟ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ مخطوطہ وہ قلمی یا خطی نسخہ ہے، جو عام طور پر کتابی صورت میں ہوتا ہے اور مختلف زبانوں میں ایسے بے شمار مخطوطے دنیا بھر کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ان سب مخطوطوں کا تعلق اس زمانے یا ان زمانوں سے ہے، جب ابھی چھاپہ خانہ یعنی پرنٹنگ پریس کے ذریعے طباعت کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ گویا کتاب کی موجودہ صورت گری ابھی نہیں ہوئی تھی۔ ان ادوار میں کسی بھی تحریر یا کتاب کے چند نسخے ہی تیار کیے جاتے تھے اور اس مقصد کے لیے کسی کاتب یا خوش نویس کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ جمیل احمد رضوی مخطوط کی حدود کو فزوں تر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایسی دستاویز جو خطی ہو یا ٹائپ کی ہو (اس میں کاربن کی کاپیاں بھی شامل کی جاتی ہیں)۔ اس میں خطوط، تاریں، روزنامچے، رسیدیں، ذاتی دستاویزات، فہرستیں، اجلاس کی روئیدادیں، معاہدے، ٹیکس کے ریکارڈ،

قانونی سرٹیفکیٹس (متعلقہ پیدائش موت، شادی وغیرہ)، ادبی کتب اور تقاریر کے اصل مسودات، جو شخصیات یاافراد سے تعلق رکھتے ہیں۔"(۱)

گویا کوئی خطی نسخہ ہو یا قلمی، ٹائپ کیا ہوا ہو، یا کاتب کا لکھا ہوا، کاربن سے عکس شدہ ہو یا بیاض کی صورت میں، خط، ڈائری یا معاہدے کی شکل میں ہو، یا پھر ذاتی و قانونی دستاویزات کی صورت میں، مخطوطہ کے ذیل میں ہی آتا ہے۔ لیکن جب ہم اردو زبان وادب کے حوالے سے دیکھتے ہیں تو ہم صرف انہی خطی یا قلمی نسخوں کو لائق اعتنا سمجھتے ہیں، جو زبان وادب سے متعلق ہوں اور زبان وادب کے حوالے سے کارآمد یا مفید بھی ہوں۔ ایسے مخطوطے عموماً کتابوں کی شکل میں ہیں، اس زمانے میں کتاب کی صورت یہی تھی۔ یوں یہ مخطوطے عہد بہ عہد علم وادب کے فروغ کا ذریعہ بنے۔ سعد مسعود غنی مخطوطوں کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"قدیم مخطوطوں اور بیاضوں کو اس لیے بھی اہمیت حاصل ہے کہ ان کے مطالعے اور جانچ پڑتال سے نئے حقائق دریافت ہوتے ہیں۔"(۲)

یہ بات بلاتامل کہی جاسکتی ہے کہ مخطوطے علم کے وہ سرچشمے ہیں جن سے مختلف علوم پہلے ندیوں اور دریاؤں میں تبدیل ہوئے اور اب یہ علمی ذخائر سمندر کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ چناں چہ ان کی اہمیت سے نہ پہلے انکار ممکن تھا اور نہ اب ہے۔ مگر کسی بھی مخطوطے کو زیر تحقیق لانے سے ماقبل ضروری ہے کہ اُس کے حقیقی ہونے کی کوئی شہادت یا دلیل موجود ہو۔ اس ضمن میں ضیا احمد بدایونی کا موقف ہے:

"کسی مخطوطے کو مطالعے یا تحقیق کا موضوع بنانے سے پہلے ہمیں اس کی اصلیت یا استناد کے بارے میں اطمینان کرنا ہوگا۔"(۳)

اس استناد کے لیے محقق کو خارجی اور داخلی شہادتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے مخطوطے کا دیباچہ، متن کا تنقیدی مطالعہ، ترقیمہ اور کاغذ کی قدامت وغیرہ ایسے شواہد ہیں، جن سے مخطوطے کی اصلیت کا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔ حافظ محمود شیرانی مخطوطہ شناسی میں خوب مہارت رکھتے تھے۔ انھوں نے مخطوطات اور سکہ جات کا جو وسیع ذخیرہ تلاش کیا اور پھر اس پر ذخیرہ شیرانی کی مہر ثبت کی، کسی فرد واحد کے حوالے سے ایسی کوئی نظیر پیش کرنا نہایت مشکل ہے۔ شمس الدین صدیقی، شیرانی صاحب کے اس کمال کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"شیرانی کی بصیرت اور ژرف نگاہی کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات وہ کسی خطی نسخے کو دیکھ کر ہی بتا سکتے تھے کہ اس کا کاغذ کس زمانے کا ہے، کتابت کا عہد کون سا ہے اور کتاب کس مدرسہ کتابت سے تعلق رکھتی ہے۔"(۴)

ذخیرۂ شیرانی قابل اعتبار بھی ہے اور قابل توجہ بھی۔ ذیل میں ذخیرۂ شیرانی سے چند شعری مخطوطوں کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے، جو پنجاب یونیورسٹی، قائداعظم کیمپس کی لائبریری کے شعبہ اورینٹل میں محفوظ ہیں۔

(۱)

عنوان : مثنوی شعلۂ عشق

شاعر: میر تقی میر

نمبر: ۵۸۵/۶۰x۶۰ش

سائز صفحہ: ۱۷X۲۱اس م

اوراق: ۸

سطور: ۱۴،۱۳فی صفحہ

خط: نستعلیق۔اوسط

سال کتابت: ۱۲۷۰ھ

کیفیت: یہ خطی نسخہ خستہ حال مگر مکمل ہے۔اس کے اصل اوراق ۸ہیں۔ جنھیں ایک فارسی نسخہ کے درمیان مجل کیا گیاہے، چنانچہ مجلد نسخہ میں مثنوی "شعلہ عشق "ورق ۲۸ سے ۳۵تک ہے۔ موجود نسخہ آب رسیدہ ہے۔ کہیں کہیں سے کاغذ خستہ حال بھی ہے لیکن جس حد تک یہ نسخہ موجود ہے،اس کا متن قائم ہےاور کوئی لفظ بھی مثنوی سے غائب نہیں ہوا۔اس کا کاغذ دبیز اور مٹیالا ہے۔اس کی حفاظت کیلئے بعد میں اِسے جلد کیا گیا ہے۔

آغاز: کاتب نے ابتدا میں حمد و نعت کے بعض ایسے شعر اور مصرعے رقم کیے ہیں، جو بے وزن ہیں اور کاتب کی اپنی اختراع معلوم ہوتے ہیں۔ایسے کاتب اصل نسخے کا حُلیہ بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ایسے ہی خوش نویسوں کے بارے میں مالک رام کہتے ہیں:

> "بسااوقات ایسا بھی ہوتاہے کہ اصل متن مصنف کے ہاتھ کا ہے یااس نے کسی کاتب سے مبیضہ کروایاہےاور اس کا دیکھاہواہے۔ لیکن بعد کو یہ مخطوطہ کسی اور کے ہاتھ پڑ گیااوراس نے دخل در معقولات دیتے ہوئے اس پر "اصلاح" دے دی۔(۵)

زیر نظر نسخے کے کاتب نے ایسی "اصلاح" کی ہے کہ اپنے بے ڈھنگے مصرعوں کو بھی بہ صورتِ اشعار نسخے میں شامل کر دیاہے۔تاہم چند اشعار وزن میں بھی تحریر ہیں، لیکن ان کی بحر مذکورہ مثنوی کی بحر سے مختلف یعنی "فاعلاتن، مفاعلن، فعلن" کے ارکان پر مشتمل ہے،جب کہ مثنوی کی اصل بحر کے ارکان "فعولن فعولن فعولن فعل "ہیں۔ حمد و نعت کے بعد یہ شعر رقم ہیں:

عشق ہی تان کارتازہ خیال — ہر جگہ اس کی ایک ہی ہے چال
کہیں آنکھوں میں خون ہوکے بہا — کہیں سرمیں جنون ہوکے بہا

اختتام: مثنوی "شعلۂ عشق" کے اس خطی نسخہ کا اختتام ان اشعار پر ہواہے۔

وہ صیاد بولا کہ دوں میں نشاں — گیا تھا سوئے شعلہ یہ نوجواں
یہ اور آگ دونوں ہوئے ہم سخن — وہ شعلہ ہوا اس پہ آتش فگن
یہ جوشش تو یاں سے تھی مدِ نظر — پھرآگے نہیں اس کی کوئی خبر

مندرجات: اس مخطوطے کو ایک نظر دیکھنے سے یوں لگتاہے کہ شروع میں جو فارسی میں نثری تحریر ورق ۱ سے ورق ۲۷تک پھیلی ہوئی ہے، یہ مثنوی "شعلۂ عشق" کا مقدمہ ہے، لیکن بغور مطالعہ سے پتہ چلتاہے کہ اس تحریر کا اس مثنوی سے کوئی تعلق نہیں، "مثنوی شعلۂ عشق" کا آغاز ورق ۲۸ سے ہوتاہےاور ورق ۳۵پر یہ مثنوی ختم ہو جاتی ہے۔اس کا ابتدائی حصہ بھی موجود ہےاور اس کا اختتام بھی۔اختتام پر ترقیمہ بھی تحریر ہے۔اس سے پہلے یہ الفاظ رقم ہیں:

"نسخہ تصنیف میر تقی میر بصورت اتمام بدقت"۔

نیچے مہر بھی لگی ہوئی ہے، جو کہ ورق ۳۵ کے صفحہ ایک پر ہے۔اس ورق کا صفحہ ۲ اُلٹا لکھا ہوا ہے۔اس پر "یافتاح" تحریر ہے، جِسے دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ جیسے کاتب نے پہلے اس ورق سے آغاز کرنا چاہا لیکن وہ مطمئن نہیں ہوا تو اس نے ورق بدل دیا یا پھر اس صفحہ پر محض مشق کتابت کی ہے۔

مثنوی کا آغاز ورق ۲۸ سے ہوتا ہے تو ابتدا میں صرف "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لکھا ہوا ہے اور پھر حمد و نعت کے اشعار کے بعد پٹنہ کے ایک شخص پرس رام اور اُس کی بیوی کا عجیب و غریب قصہ بیان ہوا ہے جو کہ ۱۲۳۲ اشعار پر مشتمل ہے۔ قصہ یوں ہے کہ پرس رام ایک خوبصورت نوجوان تھا۔اس پر ایک شخص عاشق ہو گیا۔ بعد ازاں پرس رام کی شادی ہو گئی تو اُس نے اپنے عاشق سے ملنا چھوڑ دیا۔ایک دن عاشق نے پرس رام سے نہ ملنے کا گلہ کیا تو پرس رام نے کہا کہ میرے پاس تجھے ملنے کی فرصت نہیں کیوں کہ میری بیوی مجھ سے بہت محبت کرتی ہے لہٰذا اُس کی جدائی میرے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔اس پر عاشق نے کہا کہ یہ سب عورتوں کے فریب ہیں، کوئی عورت بھی محبت میں سچی نہیں ہوتی۔ پرس رام نے اپنی بیوی کی محبت کو آزمانے کیلئے کسی شخص کے ہاتھ اپنی بیوی کو پیغام بھیجا کہ پرس رام دریا میں ڈوب گیا ہے۔اُس کی بیوی نے سُنا تو بے اختیار دریا میں ڈوب کر خودکشی کر لی۔اس پر پرس رام کو بہت دُکھ ہوا۔ وہ ایک دن دریا کے قریب سے گزر رہا تھا، تو اُس نے سنا کہ ایک ماہی گیر اپنی بیوی کو بتا رہا تھا کہ ایک شعلہ روز دریا کے قریب رات کو اُترتا ہے اور پرس رام کو پکارتا ہے۔اگلے روز رات کو پرس رام اپنے عاشق اور ماہی گیر کو لے کر اُس جگہ پہنچا جہاں ایک شعلہ آسمان سے اُترتا تھا۔اُنھوں نے دیکھا کہ ایک شعلہ اُترا اور اُس نے پرس رام کو پکارا۔ پرس رام شعلے کی طرف بڑھا تو شعلے نے اُسے اپنی آغوش میں لے لیا اور اُس کے ساتھ پرس رام بھی غائب ہو گیا۔

خصائص: جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، یہ عشقیہ قصہ مثنوی کی ہیئت میں ہے۔زبان بھی کسی حد تک قابلِ فہم ہے۔ لیکن بعض مقامات پر کتابت کی غلطیوں نے مطالعہ میں دشواری ضرور پیدا کی ہے۔ بعض جگہوں پر آب رسیدہ ہونے کی وجہ سے جہاں سے لفظ مٹ گئے ہیں وہاں بعد میں دوبارہ لکھے گئے ہیں۔خستہ حالی کی وجہ سے بعض کاغذوں کو نئے کاغذوں اور بٹر پیپر سے جوڑا گیا ہے۔کاتب نے ہر شعر کے دو مصرعوں کو آمنے سامنے لکھنے کے لیے ہر صفحہ کو دو کالم میں تقسیم کیا ہے۔ایک کالم کا سائز ۱۷ X ۴ س م ہے۔

ترقیمہ: ''تمام شد مثنوی ثانی میر تقی میر مرحوم موسوم بہ شعلہ عشق مرقوم دہم رجب ۱۲۷۰ ہجری بمقام الور''

تاریخ کتابت: ۱۰ رجب المرجب ۱۲۷۰ھ

کاتب کا نام: کاتب کا نام ترقیمہ میں بھی موجود نہیں آخر میں مہر، تو ثبت ہے لیکن ناخواندہ ہے۔

تبصیر و توضیح: شعلۂ عشق میر کی ایک عشقیہ مثنوی ہے۔ بعض نسخوں میں اس کا نام "شعلہ شوق" بھی لکھا ہوا ملتا ہے۔ یہ مثنوی ایک عجیب و غریب قصے پر مشتمل ہے، جِسے مندرجہ بالا سطور میں بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ نسخہ ۱۲۷۰ھ کا ہے، جب کہ میر کا دورِ حیات ۱۱۳۵ھ سے ۱۲۲۶ھ تک کا ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نسخہ اُن کی وفات کے ۴۴ سال بعد تحریر کیا گیا جو اس بات کا مظہر ہے کہ نقل در نقل ہے جس میں کاتب نے متعدد بے وزن اشعار کے اضافے کیے ہیں، جو صاف پہچانے جاتے ہیں۔اس مثنوی کو پہلی بار مطبع مصطفائی لکھنؤ نے راجہ محمود آباد لائبریری کے تعاون سے شائع کیا تھا۔اس کے صفحات کی تعداد سولہ تھی۔

(۲)

عنوان: مثنوی میر حسن

شاعر: میر حسن

نمبر: ۵۱۲/۳۵۳۶ش

سائزجلد: ۲۰x۱۴س م

سائزورق: ۱۹x۱۳س م

حوض: ۱۴ x۱۰س م

اوراق کی تعداد: ۹۳

سطور: ۱۲فی صفحہ

خط: نسخ۔معمولی

معیار قلم: جلی

تاریخ کتابت: ماہِ صفر ۱۲۸۰ھ

کیفیت: کامل۔ بعض اوراق آب رسیدہ ہیں، لیکن پھٹے ہوئے نہیں۔ جس سے مطالعہ میں زیادہ دقت پیش نہیں آتی۔ کاغذ قدرے باریک اور ملائم ہے، لیکن زردی مائل ہے۔ جلد بعد میں بنائی گئی ہے۔ جلد کا رنگ نیلا ہے۔

آغاز: اس مثنوی کا آغاز مندرجہ ذیل شعر سے ہوا ہے:

کروں پہلے توحیدِ یزداں رقم　　جھکا جسکے سجدے میں اوّل قلم

اختتام: اس مثنوی کا اختتام مندرجہ ذیل اشعار پر ہوا ہے:

اگر واقعی غور ٹک کیجیے　　صلاح اس میں بھی تو کوئی دیجیے

غرض جس نے اس کو سنا تو کہا　　حسنؔ آفریں مرحبا مرحبا

مندرجات: اس خطی نسخے کا پہلا ورق جس پر ورق نمبر نہیں لگایا گیا لیکن یہ ورق اپنی کیفیت اور معیار کے اعتبار سے اِسی خطی نسخے کا حصہ ہے۔ اس پر کتابت کے مختلف انداز (styles) کی مشق کی گئی ہے اس ورق کے پہلے صفحہ پر "**بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمدللہ، الحمدللہ وحدہٗ، سلم اللہ تعالیٰ** اور **السلام علیکم ورحمۃ اللہ**" کی عبارات تحریر ہیں۔ اسی صفحے پر محسن بن عبداللہ بن علی بن ناصر کا نام بھی لکھا ہوا ہے، جس سے محسوس ہوتا ہے کہ شاید یہی صاحب اس خطی نسخہ کے کاتب ہیں۔ صفحہ کے درمیان میں ایک مہر بھی موجود ہے، لیکن ناخواندہ ہے۔ جب کہ اس ورق کی پُشت خالی ہے۔ ورق نمبر ا کے پہلے صفحہ کے بالائی حصہ پر جو کہ قریباً نصف صفحہ ہے، اس پر یہ عبارات نہایت جلی طور پر تحریر ہیں:

"**یافتاح**" اور "**بسم اللہ الرحمٰن الرحیم**"

بعد ازاں مثنوی کا آغاز ہوا ہے۔ مثنوی کا غالب حصہ بدر منیر سے متعلق ہے، تاہم اس میں چند دیگر موضوعات بھی شامل ہیں۔ ہر صفحہ دو کالم میں تقسیم کیا گیا ہے، تاکہ مثنوی کے ہر شعر کے دونوں مصرعے آمنے سامنے آسکیں۔ بعض صفحات میں اشعار کے نیچے: وہ ہے مالک، بیانِ سخاوت، تمہارا میر ابول بالا، وہی جانے"، کے الفاظ بھی کاتب نے تحریر کیے ہیں۔ ورق ۹۳ کے آخر میں دُعا بھی لکھی ہوئی ہے۔

خصائص: یہ مثنوی موضوعاتی اعتبار سے تین مختلف حصوں میں یوں منقسم ہے کہ جہاں سے نیا حصہ یا بیان شروع ہوتا ہے اُسے سرخ روشنائی سے لکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ چنانچہ مثنوی درج ذیل ذیلی عنوانات یا فصائل پر مشتمل ہے:

☆ در بیان نعت حضرت سید المرسلین وخاتم النبیین ﷺ گوید

☆ در بیان مناجات گوید

☆دربیان تمہید نواب آصف الدولہ

☆بیقراری بدر منیر در فراق بے نظیر

☆آغاز داستان مایوس شاہ از دربیان تعمیر باغ

(داستانِ مایوس شاہ سے مراد مغل حکمران محمد شاہ رنگیلا کا دورِ حکومت ہے۔ یہ ۱۷۱۹ء سے ۱۷۴۸ء تک کا زمانہ تھا جس میں بادشاہ کی رنگ رلیوں کے باعث ہندوستان بدترین سیاسی اور اخلاقی زوال کا شکار ہوا۔ نادر شاہ کے حملے نے مغلیہ عہد کو شکست خوردگی اور مایوسی میں تبدیل کر دیا۔) بہ ہر حال کاتب نے ہر صفحہ پر ہر شعر کے دونوں مصرعوں کے درمیان سرخ روشنائی سے نقطے لگا کر جہاں مصرعوں میں فاصلہ پیدا کیا ہے وہاں اِس سے خطی نسخہ میں خوبصورتی بھی پیدا ہوتی ہے۔۔۔ مثنوی کی زبان قدرے سادہ بلکہ جدید اُردو کے قریب تر ہے۔ کاتب باذوق ہے، اگرچہ کتابت کا معیار بہت عمدہ نہیں، لیکن صاف ستھرا ہے۔

ترقیمہ: ''ہفتہ شنبہ صفر المظفر ۱۲۸۰ھ بروز جمعہ بوقت نماز ظہر بدست غریب خاکسار۔۔۔۔۔۔ علی بہ افضال کار سے تمام کیے گئے اور فرمائش برادر نسبتی غلام الحق موافق حکم کے تیار کیے گئے، لہٰذا اس کتاب میں سہوِ کاتب ہووے تو صاحب اہلِ عقل سے التماس ہے کہ قلم سے اپنے مرقوم کریں۔''

مہریں: ایک مہر تو ابتدائی ورق پر لگائی گئی ہے جس کا ذکر مندرجات کے تحت آچکا ہے۔ دو مہریں ورق ۹۳ پر ترقیمہ پر ثبت ہیں لیکن ناخواندہ ہیں۔

کاتب کا نام: ترقیمہ میں کاتب کا جو نام درج ہے، اُس کا پہلا حصہ نہیں پڑھا جا رہا۔ جبکہ دوسرا حصہ "علی" صاف اور واضح ہے۔

تبصیر و توضیح: میر حسن اُردو مثنوی کے ایک نامور شاعر ہیں۔ مثنوی نگاری میں اُنھیں کمال حاصل تھا۔ وہ ۱۱۳۹/۴۰ھ بہ مطابق ۱۷۲۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۷۸۶ء یعنی ۱۲۵۰ھ میں انتقال کر گئے۔ اگرچہ "گلزار ارم" اور "رموز العارفین" سمیت اُن کی مثنویوں کی تعداد بارہ سے زائد ہے، لیکن ان میں اُن کی مثنوی "سحر البیان کو" اُردو کے منظوم داستانوی ادب میں جو مقام حاصل ہے، وہ کسی اور کو حاصل نہیں، اس میں شہزادہ بے نظیر اور بدر منیر کا قصہ بیان کیا گیا ہے جس میں تہذیب و معاشرت کی عکاسی، جذبات نگاری، منظر نگاری، زبان کی سادگی اور محاوروں کے عمدہ استعمال سے کی گئی ہے۔ زمانی اعتبار سے دیکھا جائے تو میر حسن، میر تقی میر سے چار پانچ سال کم عمر، لیکن ان کے ہم عصر تھے۔ زیرِ نظر خطی نسخہ ۱۲۸۰ھ کا ہے، یعنی میر حسن کے انتقال کے تقریباً ۸۰ سال بعد لکھا گیا، جب کہ اُن کی مثنوی "سحر البیان" پہلی بار ۱۸۰۳ء بہ مطابق ۱۲۱۷ھ میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ سے شائع ہو چکی تھی۔ یہ مخطوطہ اِسی مثنوی کے چند حصوں پر مشتمل ہے اور نقل در نقل کی ایک مثال ہے۔ تاہم اس مثنوی کے جو حصے کاتب یا اس کے برادر نسبتی (جس کی فرمائش پر یہ نسخہ تیار کیا گیا) کو پسند تھے، اُنھیں حزم و احتیاط سے قلم بند کیا گیا ہے۔

(۳)

عنوان: حاتم نامہ

شاعر: خلیفہ عارف قصوری

نمبر: ۱۶۶۔۱۳۸۲/۴۴۳۳ش

سائز جلد: ۲۳x۱۳ س م

حوض: ۷x۱۸ س م

اوراق: ۶۷

سطور: ۱۹فی صفحہ

خط: نسخ/قلم جلی

سن تحریر: ۱۲۳۸ھ

کیفیت: بعض اوراق کرم خوردہ، بعض آب رسیدہ، بالخصوص ورق نمبر ۲۴تا۳۰ کے بعض حصے اس قدر کرم خوردہ ہیں کہ اُن کے متعدد الفاظ موجود ہی نہیں، جس کے باعث متاثرہ اشعار اور مصرعے قابل خواندگی نہیں۔اسی طرح ورق ۳۲بہت زیادہ آب رسیدہ ہونے کے باعث خستہ حال اور پھٹا ہوا ہے، جس کے مطالعہ میں خاصی دقت پیش آتی ہے،تاہم اس خطی نسخہ کا بیش تر حصہ محفوظ اور قابل مطالعہ ہے۔کاغذ دبیز، کھردرا اور رنگت کے اعتبار سے مٹیالہ ہے۔جلد اصل نہیں، بعد کی ہے۔جلد کی رنگت سبز ہے اور اسے ٹھوس گتے سے تیار کیا گیا ہے۔

مندرجات: پہلے ورق کا نصف بالائی حصہ صرف تین عبارات کے لیے مختص ہے۔درمیان میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سیاہ روشنائی سے،جب کہ اس کے دائیں طرف "رب یسر "اور بائیں طرف "تمم بالخیر" سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔ نصف صفحہ کے بعد مثنوی "حاتم نامہ "کا آغاز ہوتا ہے۔ہر صفحہ دو کالموں پر مشتمل ہے،ایک مصرع ایک کالم میں اور دوسرا مصرع اس کے سامنے دوسرے کالم میں کتابت کیا گیا ہے۔ورق ۳سے حسن بانو کا قصہ شروع ہوتا ہے۔کاتب نے یہ اہتمام کیا ہے کہ جہاں سے یہ قصہ شروع ہوا ہے،اُس کے ابتدائی دو شعر سرخ روشنائی سے تحریر کیے ہیں۔اسی طرح اس ورق کے دوسرے صفحہ پر قصہ برزخ کا عنوان بھی سرخ روشنائی سے تحریر ہے۔بعد کے قصوں کے عنوانات بھی کاتب نے سرخ روشنائی سے نمایاں کیے ہیں۔ابتدائی عنوانات یہ ہیں:"دربیان قصہ حسن بانو"اور "دربیان قصہ برزخ"۔ بعض صفحات کے زیریں حصوں میں کاتب نے کچھ اضافی مصرعے بھی تحریر کیے ہیں، جن سے متعلق تین قیاس ہو سکتے ہیں:۔

ا۔یہ تصحیح شدہ مصرعے ہیں جو شاعر نے اس خطی نسخہ کی تکمیل کے بعد کاتب کے حوالے کیے۔

ب۔یہ بعض مصرعوں کے متبادل مصرعے ہیں، جو بعد ازاں موزوں ہوئے اور شاعر کو اپنی دانست میں بہتر لگے۔

ج۔کاتب بھی شعری ذوق رکھتا تھا،لہٰذا ممکن ہے کہ یہ مصرعے اس کی موزوں طبع کا نتیجہ ہوں یا ذوقِ سخن کے حامل اس کے کسی مصاحب نے اضافہ کرائے ہوں۔

خصائص: "حاتم نامہ "مثنوی کی ہیئت میں ہے،اس کی زبان اُردو مگر اس میں پنجابی زبان کی آمیزش نمایاں ہے،یعنی اس کی زبان دونوں زبانوں کے ارتباط سے متشکل ہوئی ہے، چناں چہ اہل پنجاب کے لیے اس کی تفہیم نہایت آسان ہے۔کاتب نے ہر صفحہ کو دو کالموں میں تقسیم کیا ہے تاکہ مثنوی کے ہر شعر کے مصرعے مقابل لکھے جا سکیں۔کالم کا سائز ۱۸x۵ س م ہے۔تاریخ تسوید کے مطابق یہ مخطوطہ تقریباً دو سو سال پرانا ہے۔

آغاز: اس خطی نسخے کا آغاز درج ذیل اشعار سے ہوا ہے:

شکر اللہ کروں میں ورد اپنا — وہی رازق وہی جہان جوں سبنا
کھڑا کیا سما اُس بے ستونے — بچھایا فرش خاک اس بے چکونے
سورج اور چاند کو اُس نور دیا — حسن مہتاب اُس نے حور دیا

اختتام: اس خطی نسخہ کا اختتام درج ذیل اشعار پر ہوا ہے:

میں بندہ ترا عاصی ہر خطائی
میرے عملاں نہ دیویں مجھ خرابی

تو ہیں غفار، رحمان سب الٰہی
سوا بخشش ترے نا تکیہ کاہی
نزع ویلے توں کر مجھ مدد داری
زباں میرے ہووے، برکلمہ جاری

ترقیمہ: آخری صفحہ پر باقاعدہ طور پر کوئی ترقیمہ تو موجود نہیں، تاہم کاتب نے سال تسوید کے حوالے سے یہ جملہ لکھا ہے: "زہجرت باراسی سن(۱۲۳۸)زہست اے۔" جس سے اس خطی نسخہ (حاتم نامہ) کا سن کتابت معلوم ہوتا ہے۔

مہر: اس مخطوطے کے شروع، درمیان اور آخر میں کسی طرح کی کوئی مہر ثبت نہیں۔

تبصیر و توضیح: خلیفہ عارف قصوری کے "حاتم نامہ" کی ایک اور تاریخ تالیف ۱۲۳۳ھ بھی ملتی ہے۔ یہ نسخہ اگرچہ اُردو میں ہے، لیکن اس میں پنجابی زبان کے الفاظ کی بہتات ہے، جو اس امر کا ثبوت ہے کہ اس زمانے میں جو اُردو پنجاب میں لکھی جارہی تھی، وہ دہلی اور لکھنؤ کی اُردو سے مختلف تھی۔ خلیفہ عارف قصوری زمانی اعتبار سے خواجہ حیدر علی آتش، مومن خاں مومن اور ابراہیم ذوق کے ہم عصر تھے۔ عارف قصوی کا انتقال ۱۲۶۵ھ میں ہوا، جب کہ آتش کا ۱۲۶۳ھ میں، مومن خاں مومن کا ۱۲۶۸ھ میں اور مرزا ابراہیم ذوق کا ۱۲۷۱ھ میں ہوا۔ چوں کہ خلیفہ عارف قصوری کا سالِ وفات ۱۲۶۵ھ ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ خطی نسخہ اُن کی زندگی میں ہی تالیف ہوا۔ اس کی زبان حافظ محمود شیرانی کے اس نظریے پر دال ہے جو انھوں نے اپنی تصنیف "پنجاب میں اُردو" میں پیش کیا ہے۔

(۴)

عنوان: مثنوی سیاہ پوش
شاعر: نامعلوم (ممکن ہے کہ سیاہ پوش نام کا حصہ ہو)
نمبر: ۶۰۔۳۶۰۸/۵۸۵ش
سائز صفحہ: ۱۷X۲۱۔س م
اوراق: ۲۱
سطور: ۱۳فی صفحہ
خط: نستعلیق۔اوسط
تاریخ تحریر: درج نہیں

کیفیت: یہ خطی نسخہ خستہ حال اور ناقص الاول و آخر ہے۔ چوں کہ یہ نسخہ آب رسیدہ ہونے کی وجہ سے مجموعی طور پر خستہ حال اور کئی جگہوں سے پھٹا ہوا ہے، اس لیے اس کو محفوظ کرنے کیلئے بعض اوراق پر بٹر پیپر کے پیوند (Patches) لگائے گئے ہیں اور بعض اوراق کو باریک کاغذ سے جوڑ کر نسخے کو مجلد کر دیا گیا ہے، لیکن یہ تمام کوششیں بعد کی ہیں۔ اصل اوراق چوں کہ خستہ حال ہیں اور زیادہ آب رسیدہ ہونے کی وجہ سے بعض لفظ مٹ بھی گئے ہیں۔ لہٰذا ان کے مطالعہ میں خاصی دشواری پیش آتی ہے۔ اس کے باوجود اصل متن جس قدر موجود ہے، محفوظ ہے اور اس کے مفہوم کو بہ آسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ خطی نسخے کا کاغذ دبیز اور رنگت کے لحاظ سے مٹیالا ہے۔

آغاز: اس مثنوی کی ابتدا اِن اشعار سے ہوتی ہے جو ورق ۳۶ پر رقم ہیں:

سرنامہِ من بنامِ معبود پیدا کیا ہستیِ بود نابود

خالق ہے زمین و آسماں کا　　رازق ہے تمام جن و انساں کا
ہستی کو کیا خرد سے کامل　　پیدا کیا جسم، جان اور دل

اختتام: اس مثنوی کا اختتام درج ذیل اشعار پر ہوا ہے یہ اشعار ورق ۵۶ پر دیکھے جا سکتے ہیں:

گر دل میں تیری ہوس ہو غالب　　کر نوش کہ جام ہے لبالب
موجود ہے جام اور ساقی　　مت دل میں رکھ ہوس یہ باقی

مندرجات: اس خطی نسخہ (مثنوی سیاہ پوش) کے ورق ۳۶ کے بالائی حصہ پر یہ کلمات تحریر ہیں:

"یا فتاح"، "اسم بالخیر"، "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

اس کے بعد مثنوی کا متن شروع ہوتا ہے۔ یہ مثنوی ایک قصہ ہے جو کہ سلطان محمود غزنوی اور ایک سوداگر بچے کے بارے میں ہے اور ۱۲۰۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ متن میں کہیں کہیں حروف کے نقطے غائب ہیں یا اِدھر اُدھر ہو گئے ہیں اور کہیں کہیں سے لفظ پھٹ یا کٹ گئے ہیں، بعض مقامات پر دوبارہ لفظ بھی لکھے گئے ہیں، لیکن یہ نہیں معلوم کہ وہ اصل متن کے مطابق ہیں بھی کہ نہیں۔ نقطوں کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے خلیق انجم لکھتے ہیں:

"اُردو رسمِ خط میں نقطوں کی بہت اہمیت ہے۔ بہت سے حرفوں کی شکلیں نقطوں ہی سے معین ہوتی ہیں۔ قدیم رسم خط میں اکثر کاتب لفظوں کا زیادہ خیال نہیں رکھتے تھے۔"(۶)

ترقیمہ: متن کے درمیان یا آخر میں کوئی ترقیمہ تحریر نہیں۔ لہٰذا اِس سے نہ تو مصنف کا سراغ ملتا ہے، نہ کاتب کا اور نہ ہی اس کی تاریخِ کتابت کا پتہ چلتا ہے۔

خصائص: اس مثنوی میں اگرچہ کہیں کہیں فارسی الفاظ کا استعمال بھی ہوا ہے، اس دور کی اُردو، ریختہ کہلاتی تھی، تاہم قابلِ فہم ہے اور میر تقی میر ہی کے دور سے قریب معلوم ہوتی ہے۔ بعض مقامات پر کتابت کی غلطیاں کاتب کے کم سواد ہونے کی گواہی دے رہی ہیں۔ تاہم کتابت کا معیار قابلِ قبول ہے۔ کاتب نے مثنوی کے ہر شعر کے مصرعوں کو بالمقابل لکھنے کیلئے ہر صفحہ کو دو کالموں میں منقسم کیا ہے۔ ایک کالم کا سائز ۱۷X۴ س م ہے۔ دونوں کالموں میں تھوڑا فاصلہ رکھا گیا ہے، تاکہ شعری متن میں کسی طرح کا الجھاؤ پیدا نہ ہو۔ آخر میں کسی طرح کی نہ تو کوئی مہر ہے اور نہ دُعا۔ شعر پر ہی اس کا اختتام ہو جاتا ہے۔ کاغذ اگرچہ دبیز ہے لیکن قدرے ملائم ہے۔

زمانۂ کتابت: کتابت کے انداز سے لگتا ہے کہ یہ وہی کاتب ہے، یا اس کا تعلق اسی مدرسہ کتابت سے ہے، جس نے مثنوی "شعلہ عشق" تحریر کی، مگر کاتب کا نام کہیں نہیں لکھا ہوا۔ زمانہ کتابت ۱۲۶۰/۷۰ھ کے لگ بھگ ہی محسوس ہوتا ہے۔

تبصیر و توضیح: یہ مثنوی بیان و بدایع و عروض کے اعتبار سے کسی پختہ کار شاعر کی تخلیق معلوم ہوتی ہے۔ قصہ دل چسپ ہے اور شعری اسلوب بھی متعدد محاسن کا حامل ہے۔ مثنوی کا آغاز دستیاب ورق نمبر ۳۶ سے ہوا ہے، جس سے یہ گمان گزرتا ہے کہ اس سے قبل بھی اسی شاعر کی کوئی تصنیف ہو گی، جو ضائع ہو گئی اور اُسی پر شاعر کا نام رقم ہو گا۔ تلاشِ بسیار کے باوجود اس نام کی کوئی مطبوعہ مثنوی احاطہ معلومات میں نہیں آئی اور نہ ہی کسی ویب سائٹ پر موجود ہے۔ اگر اس کی تدوین و طباعت ہو سکے تو یہ مثنوی اُردو زبان و ادب میں ایک اچھا اضافہ ثابت ہو گی۔

ذخیرہ شیرانی کے اِن متذکرہ مخطوطوں کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ نسخے کسی نہ کسی اعتبار سے اہم ضرور ہیں، لیکن یہ لازم نہیں کہ نسخے کی حیثیت اساسی ہو، وہ نقل بھی ہو تو اپنے پُرکھوں کی تخلیقی امانت کو محفوظ کرنے کی

ایک کوشش ضرور ہوتا ہے، ماسوا اُن کاتبوں کے قلمی نسخوں کے جن میں ترمیم واضافہ یا ردوبدل کیا جاتا ہے۔ خلیق انجم نے درست ہی لکھا ہے:

"الہامی کتابوں کے بعد اگر کوئی چیز مقدس ہے تو بزرگوں کے وہ فکری کارنامے ہیں جو کتابوں کی صورت میں ہمیں ورثہ میں ملے ہیں۔"(۷)

مخطوطے ہی وہ کتابیں ہیں، جو نقل در نقل کے عمل سے گزر کر اس علمی اور فکری سرمائے کو عہد بہ عہد منتقل کرنے کا باعث بنیں اور یوں چراغ سے چراغ جلانے کا سلسلہ جاری رہا۔

☆☆☆☆☆

حوالے

۱۔ جمیل احمد رضوی، سید، دستاویزی طریقہ تحقیق، مشمولہ: مجلہ تحقیق (لاہور، پنجاب یونیورسٹی، شمارہ۱۔۱۹۸۳ء) ص ۱۲

۲۔ سعد مسعود غنی، ادبی تاریخ نویسی اور تواریخِ ادبِ اردو (ملتان، المضراب پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء) ص ۱۶

۳۔ ضیا احمد بدایونی، مخطوطات شناسی، مشمولہ: فنِ تدوین، مرتبہ: عابدہ بتول (لاہور، مکتبہ اخوت، ۲۰۱۳ء) ص ۲۰۷

۴۔ شمس الدین صدیقی، ڈاکٹر، تحقیق وتنقید، مشمولہ: تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان وہند، جلد دہم (لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۲ء) ص ۱۹۴

۵۔ مالک رام، مخطوطات: تلاش، قرات اور ترتیب، مشمولہ: فنِ تدوین، محولہ بالا، ص ۲۱۹

۶۔ خلیق انجم، متنی تنقید (لاہور، سنگت پبلشرز،، ۲۰۰۴ء،) ص ۵۱

۷۔ ایضاً، ص ۱۰

References

(1) Jamil Ahmad Rizvi, Syed, Dastavezi Tariqa e Tahqeeq, (incl.): *Mujalla e Tahqeeq*, (Lahore, Punjab University. No:1.1983), p.12

(2) Saad Masood Ghani, *Adbi Tarikh Navisi aur Tawarikh-e-Adab-e-Urdu*, (Multan, Almizrab Publications, 2005), p.16

(3) Zia Ahmad Badayuni, Makhtutat Shanasi, (incl.) *Fun-e Tadveen* by Abida Batool (Lahore, Maktaba Akhuwat, 2013), p.207

(4) Shamsuddin Siddiqui, Doctor, Tahqeeq-o-Tanqeed, (incl.) *Tarikh-e-Adbiyat-e-Musalmanan e Pakistan-o- Hind*, Jild Dahm, (Lahore, Punjab University, 1972) p.194

(5) Maalik Ram, Makhtutat: Talash, Qirat aur Tarteeb, (incl.) *Fun-e-Tadveen*, p.219

(6) Khaleeq Anjum, *Matni Tanqeed*, (Lahore, Sangat Publishers, 2004), p.51

(7) ibid, p.10

❖❖❖